ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اداریہ

انجمن ترقی اردو کا تحقیقی مجلہ ''ایک صدی کا قصہ ہے پل دو پل کی بات نہیں''، کیسے کیسے مقاماتِ آہ و فغاں آئے مگر بابائے اردو نے اردو زبان کو ایسا اپنایا کہ اس کے بغیر تہذیبی اقدار کا تصور محال ہوگیا۔ کسی بھی خطے میں مختلف زبانیں یا بولیاں ہوتی ہیں۔ ہر زبان اور ہر بولی اُس خطے کی ثقافت کی حامل ہوتی ہے۔ جب یہ زبانیں اور بولیاں آپس میں قریب آنا چاہتی ہیں تو یہیں سے تہذیبی عمل شروع ہوجاتا ہے۔ یوں تہذیبی زبان کا سلسلہ ثقافتوں سے جُڑتا چلا جاتا ہے۔ اردو زبان کو اسی سلسلے کا بنیادی حوالہ سمجھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو غیر منقسم ہندوستان کے ہر قریے اور خطے سے منسلک چلی آرہی ہے۔ کہیں اردو کا آغاز سندھ سے ہوتا ہوا نظر آرہا ہے تو کہیں پنجاب سے، کہیں دکن سے، کہیں برج بھاشا سے، کہیں میتھلی سے، کہیں بھوج پوری سے، کہیں قنوجی سے تو کہیں ہریانی سے! سوچنے کی بات یہ ہے کہ تقسیم کے بعد بھی پاکستان میں یہ سلسلہ جاری ہے اور اردو زبان ہم سب کو آپس میں قریب لانے کا بنیادی حوالہ ہے۔ مولوی عبدالحق بابائے اردو اس زبان کے سب سے بڑے وکیل رہے ہیں اور اُن کا قائم کردہ ادارہ انجمن ترقی اردو پاکستان آج بھی پاکستانیت کے فروغ میں نمایاں حصے دار ہے اور منّت پذیرِ شانہ کا قصہ دیوانِ اقبال تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔

انجمن ترقی اردو کی پہچان مخطوطات بھی ہے کہ جالبی صاحب کا پی ایچ ڈی مولوی صاحب کے دریافت کردہ مخطوطے ''کدم راؤ پدم'' پر ہے۔ اپنی زندگی میں ہی مولوی صاحب ''کدم راؤ پدم راؤ'' کو مدوّن کرنے کے لیے نصیر الدین ہاشمی (دکن میں اردو) کو بھی دعوت دے چکے تھے۔ بابائے اردو مخطوطات کے لیے ہمیشہ ہی سینہ سپر رہے۔ خود بھی اُنھوں نے کئی مخطوطات کی تدوین کی۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان کا اہم ورثہ ہے۔ اس ورثے کے لیے انجمن کے اربابِ اختیار بالخصوص واجد جواد، زاہدہ حنا اور عابد رضوی صاحب نے ڈیجیٹل لیبارٹری کی طرف پیش قدمی کی ہے، تقریباً ۲۸۰۰ مخطوطات کو محفوظ بنانے کے لیے عصرِ حاضر کی ٹیکنالوجی سے کام لیا جارہا ہے۔ اُمید ہے یہ تمام مخطوطات جلد ہی آن لائن ہوجائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ انجمن کے اربابِ اختیار

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مخطوطات کی تدوین کے لیے بھی کوشاں ہیں۔ صاحبانِ علم و دانش سے رجوع کیے ہوئے ہیں۔

''میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں''، ''میں ہوں اس لیے میں سوچتا ہوں۔'' یہ جہان اعتباری ہے نقل کی نقل یعنی ''ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں۔'' دنیا کی اساس مادّیت پر ہے۔ جدلیاتی خول ایسا ٹوٹا کہ جبر و قدر کا سلسلہ روحانیت اور مادّیت پر آ کر ٹھہر گیا۔ نظر آنے والا جہان اجتماعی شعور کے ساتھ سائنس اور میکانکس کی پناہ میں آ گیا اور کانٹ کا پروردہ ہو گیا جب کہ نظر نہ آنے والا جہان تا حال مختلف مذاہب و ملّت کے درمیان، ردّ و قبول کا منظر نامہ بنا ہوا ہے۔ ایسے میں یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ عالمِ اسباب میں متخیّلہ کے لوگ بہت کم ہیں جب کہ متصورہ کے چاہنے والوں کے سبب جہانِ فانی میں بوقلمونی کا احوال صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ امریکن دانش ور ایمرسن نے افلاطون کی مثالیت پسندی کو امریکی سماج سے ایسا ہم آہنگ کیا کہ اس سماج کے تشخص کی ایسی سمت نمائی ہوئی کہ امریکا ترقی کا استعارہ ہو گیا۔ یہی کچھ احوال سترھویں تا انیسویں صدی ڈیکارٹ کے چھ ریسرچ ڈسکورس اور تجربیت کے مکتبِ فکر نے اس جہان میں ایسی روح پھونکی کہ ایک طبقہ جوہر اور حواسِ خمسہ کے تال میل کا بے مثال نمونہ ہوا۔ برٹرینڈ رسل اس کی اعلیٰ مثال ہے۔ کیرکے گارد کی وجودیت خدا کو مانتی ہے جب کہ ژاں پال سارتر کی وجودیت خدا کی منکر۔ سارتر ہستی کو بے تعلق سمجھتا ہے جب کہ ہیڈیگر ہستی کے حوالے سے تعلق کے بغیر نوالہ بھی نہیں توڑتا۔ مادّیت کے حوالے سے جدلیاتی قوتوں کا احوال روس اور چین میں کھلتا ہے۔ اس راز کے افشا ہونے میں لینن کے روسی تشخص اور ماؤزے تنگ کے چینی تشخص کو خاص دخل ہے۔ قوموں کی شناخت خواہ ملّی ہو کہ وطنی، زندگی گزارنے کے لیے جزوِ لاینفک کی طرح ہے اور اس میں زبان و ادب کا عمل دخل دانش و بینش کے لیے لازمۂ حیات ہے۔

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں انفارمیشن ٹیکنالوجی نے وہ روپ اختیار کیا کہ دنیا کے فاصلے سمٹ گئے۔ تخلیق، تحقیق اور تنقید کے اظہار میں آسانیاں ہو گئیں۔ ساتھ ہی ساتھ کٹ اینڈ پیسٹ کی فراوانی بھی! جس نے بالخصوص زبان و ادب کی تحقیق کو بے توقیر کیا ہوا ہے۔ آج کے اکثر محققین مختلف ویب گاہوں کے ہو کر رہ گئے ہیں۔ کتاب کلچر پہلے ہی افادیت کی زد پر تھا۔ اب مزید مواد اور ماخذات سے لاتعلقی کے مرض میں مبتلا ہیں۔

۱۹۰۳ء میں اردو زبان و ادب کی سمت نمائی کے لیے انجمن ترقی اردو کا قیام کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ آج انجمن ۱۱۸ برس کی ہو چکی ہے۔ بھارت میں سہ ماہی ''اردو ادب'' اور ماہ نامہ ''ہماری زبان'' اس کی پہچان ہیں جب کہ پاکستان میں ماہ نامہ ''قومی زبان'' شش ماہی مجلّہ ''اردو'' وائی زمرے میں انجمن کی شان ہیں۔ مزید مجلسِ ادارت اور مجلسِ منتظمہ شش ماہی ''اردو'' کی ایکس (X) زمرے میں شمولیت کے لیے کوشاں ہے۔ یہ پہچان

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور شان بابائے اردو مولوی عبدالحق کی رہینِ منّت ہے کہ مولوی صاحب ۱۹۱۲ء میں انجمن کے ساتھ اورنگ آباد منتقل ہوئے۔ یہیں سے ۱۹۲۱ء میں ''اردو'' کا پہلا شمارہ نکلا۔ مستقل مزاجی سے انجمن سے کتابوں کی اشاعت اور مجلّہ ''اردو'' جاری ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد انجمن پاک و ہند میں تقسیم ہوگئی۔ یہ تقسیم دراصل جغرافیائی ہے جب کہ تہذیبی و مرکزی زبان اردو دونوں خطّوں کو آپس میں جوڑے ہوئے ہے۔ ۱۹۱۲ء میں اورنگ آباد سے ۱۹۶۱ء میں کراچی (مولوی صاحب کی وفات) تک کا عرصہ، پچاس برسوں پر محیط ہے۔ ان پچاس برسوں میں انجمن ترقیٔ اردو کارہائے نمایاں انجام دیتی رہی ہے۔ مولوی صاحب انجمن کو ترقی کی ایسی شاہراہ پر ڈال گئے کہ اردو کالج اور اردو یونی ورسٹی ہمیشہ اُن کی یاد دلاتی رہے گی۔

آخر میں پروٹسٹنٹ مسلک کے بانی مارٹن لوتھر کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ اُن کی بصیرت پر جرمن زبان جرمن بنی، انجیل کا سادہ زبان میں ترجمہ لاطینی سے انحراف ثابت ہوا۔ اُن کا یہ کہنا کہ ''ان گدھوں کی طرح لاطینی صرف ونحو سے نہ پوچھنا چاہیے کہ جرمن زبان کیوں کر بولی جائے بلکہ گھر میں بیٹھنے والی ماؤں سے، سڑک پر کھیلنے والے بچوں سے، بازار میں پھرنے والے لوگوں سے، اُن کی بات چیت کان لگا کر سنو اور اُسی زبان میں ترجمہ کرو۔ تب وہ سمجھیں گے کہ تم جرمن زبان بول رہے ہو۔'' (''فاؤسٹ''، گوئٹے، حصہ اوّل، مترجم ڈاکٹر سیّد عابد حسین، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ص ۱۱۔ ۱۲)

مارٹن لوتھر نے کسی بھی زبان کے لیے فصاحت کا اصول بتا دیا نیز ارتقائی مدارج سے گزرنے والی زبان کس طرح ذہنی غلامی سے نکل سکتی ہے، یہ سب ہمارے سوچنے کے لیے ہے کہ یورپ میں سب سے آخر میں ادبی سطح پر جرمنی نے کروٹ لی۔ لاطینی اور فرانسیسی کے گہرے اثرات کے باوجود جرمنی نے ذہنی غلامی سے نجات حاصل کر کے دم لیا۔ ہمارے صرفی اور نحوی متکلمین کو سوچنا ہوگا کہ اگر مارٹن لوتھر سے ہی استفادہ کیا ہوتا تو اب تک اردو زبان میں مقامی کلچر رچ بس چکا ہوتا۔ تمام صوبوں کی زبانوں کے محاورات اور ضرب الامثال سے اردو زبان آراستہ ہوچکی ہوتی اور پاکستانی تشخص کی راہ استوار ہوچکی ہوتی۔

سترھویں صدی کا احوال ۱۶۱۸ء تا ۱۶۴۸ء فرانس اور جرمنی کے درمیان تیس سالہ جنگ کا منظرنامہ اور اس کے نتائج بتاتے ہیں کہ جرمنی لاطینی اور فرانسیسی کے زیرِ اثر پیروی کرنے والا ملک تھا، مارٹن لوتھر کے اثرات گوئٹے تک آ گئے۔ جب گوئٹے نے جرمن ہونے پر فخر کیا اور انقلابِ فرانس نے نئی راہیں وضع کیں۔ یوں جرمنی ۱۸۷۰ء میں اس لائق ہوا کہ اُس کی پہچان ادب ہوگیا۔ یہ احوال صرف جرمنی کا نہیں، تقریباً پورے یورپ کا تھا۔ برطانیہ بھی پروٹسٹنٹ نظریات کے زیرِ نثر عقلیت پسندی کے ساتھ اپنے ثقافتی میلانات سے رجوع ہوا۔ اُدھر امریکا میں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۷۷۰ء میں جان ٹرم بُل برطانوی بیانیے (Narrative) کو رد کر رہا تھا۔ آقاؤں اور غلاموں کی زبان انگریزی تھی، مسئلہ زبانوں کا نہیں، تشخص کا تھا۔ مارٹن لوتھر بھی تشخص کے حوالے سے لاطینی اور فرانسیسی کو ردّ کرتا نظر آتا ہے۔

کسی بھی زبان کے فروغ کے لیے روزمرہ یعنی فصاحت ناگزیر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ لغت عوام کا تعاقب کرتی ہے نہ کہ عوام لغت کا! روزمرہ اور فصاحت میں ہی کسی قوم کا بیانیہ/تشخص مضمر ہے۔

(ش۔ا)